عرش پر قرار پکڑنا مقام تنزّہ کی طرف اشارہ ہے تا ایسا نہ ہو کہ خدا اور مخلوق کو باہم مخلوط سمجھا جائے، رسول کریم ﷺ کا قلب عرش الہٰی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 /اکتوبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۶﴾

(الزمر: 86)

پھر فرمایا:۔

اور تو اس دن ملائکہ کو دیکھے گا کہ وہ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ عرش کے چاروں طرف، اس کے اردگرد خدا تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کر رہے ہوں گے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور جن کا فیصلہ کیا جانا ہے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریف رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی کی ہے۔ خالصۃً اسی کی ہے ہر سچی تعریف، تمام تر تعریف تمام جہانوں کے رب کی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی عرش کا ذکر ہے اور اس سے پہلے جو میں نے گزشتہ خطبے میں آیت تلاوت کی تھی اور ایک اور آیت کا حوالہ دیا تھا اس میں بھی عرش الہٰی کا ذکر ملتا ہے لیکن کسی آیت کریمہ میں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ فرشتوں نے عرش اٹھایا ہوا ہے اور یہ خیال مفسرین کی وجہ سے یا بعض ایسی

حدیثوں کی وجہ سے راہ پا گیا جو بہت بعد کے زمانہ میں اکٹھی ہوئیں اور ادنیٰ سے غور سے بھی پتا چل جاتا ہے کہ وہ وضعی احادیث ہیں ان کا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر وہ حدیث جو خود آپس میں بھی متضاد ہو اور قرآن کے مضامین سے بھی ٹکراتی ہو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر ہر وہ حدیث جس کی جڑیں Greek Mythology میں ملتی ہوں یعنی یونانی فلسفہ اور ان کے مصنوعی خداؤں کے تصور میں ملتی ہوں صاف پتا چلتا ہے کہ وہ تصور رفتہ رفتہ اسلام میں راہ پا گئے اور بعض علماء نے اس تصور پر مبنی بعض لوگوں کی من گھڑت حدیثوں کو قبول کر لیا اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

جو احادیث قطعی مثلاً بخاری میں ملتی ہیں یا اور مستند کتب میں ہیں ان میں ان باتوں کا اشارۃً بھی ذکر نہیں ملتا جو آخری زمانے کی ایسی احادیث میں جو مثلاً حدیث کی کتب میں ہی نہیں بلکہ وہ ایک تاریخ کی کتاب میں ملتی ہیں جس کا مصنف اس تاریخ کا سات سو سال بعد پیدا ہوا ہے یا تفسیر میں ملتی ہیں، ایسی تفسیر میں جو بہت بعد کے زمانے کے علماء کی تفسیریں ہیں یا ایسی حدیثوں کی کتب میں ملتی ہیں جن کا مصنف یا مؤلف چار سو سال بعد رسول اللہ ﷺ کے، چار سو جمع کچھ سال کے بعد فوت ہوتا ہے اور ایسی حدیثوں کی بھرمار پیچھے چھوڑ گیا ہے جو اسلام میں کثرت کے ساتھ فتنے کا موجب تو بن سکتی ہیں نور کے پھیلانے کا موجب نہیں بنتیں کیونکہ وہ تمام احادیث اپنے اندر گواہی رکھتی ہیں کہ من گھڑت باتیں ہیں۔ نہ قرآن سے ان کا تعلق ہے نہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ ان احادیث کے چند نمونے میں آپ کے سامنے رکھ کر پر قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریحات کے حوالے سے اس مضمون کو مزید کھولوں گا۔

بحوالہ درمنشور للسیوطی، اب سیوطی کی کتاب جو سیوطی ہیں مؤلف یا مصنف، یہ علامہ جلال الدین سیوطی آنحضرت ﷺ کے 849 سال بعد پیدا ہوئے ہیں اور 849 بعد اور بعض حدیثیں درج کر رہے ہیں جن کی کوئی بھی مستقل سند ایسی نہیں ہے جس کا رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا قطعی طور پر ثابت کیا جا سکے کیونکہ وہ حدیث جو 800 سال تک ڈوبی رہی ہے وہ اچانک اس تفسیر نگار کے ہاتھ کیسے آ گئی اور اس سارے عرصے میں بڑے بڑے عظیم محدثین گزرے ان کو کانوں کان تک خبر نہ ہوئی کہ یہ حدیث بھی دنیا میں موجود ہے اور انہی مصنفین نے اس قسم کی حدیثیں پیش کیں جن کا اعتماد

ان کی احادیث کے مجموعے پر نظر ڈالنے سے، یک دفعہ نظر ڈالنے سے ہی اٹھ جاتا ہے کیونکہ ایسے ایسے لغو جنوں بھوتوں اور پریوں کے قصے، ایسی متضاد باتیں جو تاریخ سے متصادم، عقل سے متصادم اور اتنے واضح اپنے اندر تضاد رکھتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے کے ایسے واقعات جو مثلاً حضرت یحیٰ کے زمانے سے بھی چار، پانچ سو سال پہلے کے واقعات گزرے ہیں ان کو حضرت یحییٰ ؑ کے زمانے میں دکھا رہے ہیں۔ غرضیکہ ایسے کھلے واضح تضادات ہیں کہ ایک محقق کا فرض تھا کہ دیکھتے ہی ایسی تمام حدیثوں کو اندرونی تضادات کی رو سے ہی رد کر دیتا مگر اکثر ان بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ مرفوع ہے کہ نہیں۔ اب جو مصنوعی حدیثیں بناتا ہے وہ اس کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے میں بھی تو ملکہ رکھتا ہوگا، اس کو مرفوع کر دینا تو اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں لیکن محض اصطلاح مرفوع ایسی ہاتھ لگ گئی ہے کہ ان لغویات پر اعتماد شروع کر دیا جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا آپ ؐ کی گستاخی ہے۔ قطعی طور پر وہ محمد رسول اللہ ﷺ جو قرآن سے جلوہ گر ہوتے ہیں، قرآن سے اٹھتے ہیں ان کی طرف وہ حدیثیں منسوب ہو ہی نہیں سکتیں۔ میں چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں عرش کے تعلق میں۔

درمنثور میں حضرت مکحول۔ رضی اللہ لکھا ہوا ہے لیکن تابعی ہیں۔ حضرت مکحول تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرش کو اٹھانے والے چار فرشتے ہیں۔ ایک فرشتہ صورتوں کی سردار صورت پر ہے یعنی انسان کی صورت پر اور ایک فرشتہ درندوں کے سردار شیر کی صورت پر ہے اور ایک فرشتہ چار پایوں کے سردار بیل کی صورت میں ہے اور وہ یوم العجل یعنی بچھڑے کے معبود بنائے جانے کے دن سے اس وقت تک سخت غصے کی حالت میں ہے کہ میں بیلوں میں ہوں اور ایک بچھڑے کو معبود بنالیا گیا ہے، اس لئے میری سخت بے عزتی ہوئی ہے اور اس وقت سے اس کا غصہ اتر ہی نہیں رہا اس فرشتے کا اور ایک فرشتہ پرندوں کے سردار باز کی شکل میں ہے۔

(ابوالشیخ بحوالہ درمنثور للسیوطی، سورہ المومن زیر آیت نمبر 8)

اب جس نے بھی دیومالائی کہانیاں پڑھی ہوئی ہیں وہ فوراً سمجھ سکتا ہے کہ یہ نعوذ باللہ من ذالک رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔ دیومالائی کہانیوں کی پیداوار اس سے زیادہ اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ مگر محدثین نے بے چاروں نے یہ بحثیں اٹھائی ہیں کہ یہ صحابی پر جا کے کھڑی

ہوتی ہے یا تابعی پر جا کے کھڑی ہوتی ہے۔ اصطلاحاً اس کو مرفوع کہا جا سکتا ہے کہ نہیں اور مرفوع کہہ کر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث قابل اعتماد ہوگئی۔

اب ایسی ہی ایک مرفوع حدیث **عن ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔ ام سعد سے روایت ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ عرش ایک ایسے فرشتے پر ہے۔ چار فرشتے نہیں ہیں عرش کے، ایک ہی فرشتے نے اٹھایا ہوا ہے۔ ایک ایسے فرشتے پر ہے جو موتی سے بنا ہوا ہے اور مرغ کی شکل پر ہے۔ اب چونکہ یہ مرفوع بن گئی اس لئے مولوی انہی حدیثوں کے اوپر وعظ بناتے ہیں عجیب وغریب کہاوتیں پھیلا کر اسلام کا تصور ہی بگاڑ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا اس کے پاؤں زمین کی نرم تہہ میں ہیں اور اس کے پر مشرق میں اور اس کی گردن عرش کے نیچے ہے۔

(ابن مردودیہ بحوالہ ورمنثور سورہ المومن زیر آیت نمبر 8)

اب بتایئے یہ کلام حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ہو سکتا ہے؟ کوئی انسان جس کی سیرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نظر ہو، جس نے صحیح بخاری اور دوسری صحاح کتب کا مطالعہ کیا ہو اور آنحضرت ﷺ کی اس پاک سیرت پر نظر ہو جو قرآن پیش کرتا ہے وہ ایک لحظہ کے لئے بھی اس کو مان نہیں سکتا۔ اس سے بڑی گستاخی آنحضور ﷺ کی ممکن ہی نہیں ہے کہ اس قسم کی لغویات کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔

اور ایک اور مرفوع حدیث جس کو محققین کہتے ہیں یہ مرفوع ہے ''عن ابن عباس'' حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ پر جو سب سے زیادہ ظلم کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کی طرف سے کیا گیا ہے جنہوں نے آپؓ کا نام بیچنے کے لئے وضعی حدیثیں آپ کی طرف منسوب کر دیں۔ وہ روایت کیا ہے؟ عرش اٹھانے والوں میں ہر ایک کے کندھے اور اس کے پاؤں کے تلوے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید ذکر کیا کہ اس فرشتے کا ایک قدم مشرق سے مغرب تک ہے۔ (عبد بن حمید ابن مردویہ والبیھقی بحوالہ درمنثور للسیوطی، سورہ المومن زیر آیت 8)۔ اگر پانچ سو سال کی مسافت ہے پاؤں کے تلووں سے اور اس کے درمیان پھر قدم تو اس سے بھی بہت زیادہ ہوگا جتنی زمین پوری کی پوری ہے۔

لیکن ایک اور حدیث بھی سن لیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔ **انا للہ و**

انا الیہ راجعون۔ وہ کہتے ہیں چار نہیں آٹھ ہیں اور یہ حدیث جس نے بھی بنائی ہے اس کی قرآن کریم کی ایک آیت پر نظر ہے جس میں آٹھ کا ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ فرشتوں کا ذکر وہاں نہیں ہے۔ ابوالشیخ وابن ابی حاتم بحوالہ درمنشور۔ کہتے ہیں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ عرش کو اٹھانے والے آٹھ ہیں۔ ان میں سے ایک کے گوشہ چشم سے، آنکھ کے ایک کونے سے، اس کی آنکھوں کے پچھلے حصے تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (ابوالشیخ وابن ابی حاتم، بحوالہ درمنثور للسیوطی، سورہ المومن آیت 8)۔

یہ دیو مالائی کہانیوں کو بھی مات کرنے والی باتیں ہیں اور پتہ نہیں کون سے مصنف تھے جو اس زمانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے اور عقل کے درمیان کروڑوں سال کا فاصلہ تھا، یہ میں کہہ سکتا ہوں۔ فرشتوں کی آنکھوں اور پچھلے حصے میں تو پتا نہیں کتنا فاصلہ تھا مگر ان وضع کرنے والوں اور عقل کے درمیان کروڑ ہا میل کا فاصلہ ہوگا یہ کروڑ ہا Light Years کا فاصلہ قرار دیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا اور پھر ظلم کتنا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف باتیں منسوب کر رہے ہیں۔

ایک حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہوئی ہے مگر یہ حدیث جو ہے ایک ایسی کتاب میں موجود ہے جو کتاب اپنے لحاظ سے وقعت رکھتی ہے اور اس میں اس کا پایا جانا بہت بڑا ظلم ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث آئی ہوئی ہے اور یہ درست ہے کہ صحاح میں بھی کئی دفعہ ایسی حدیثیں آئی ہیں جن میں اندرونی شہادت اس بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اذن ملا ہے کہ میں عرش اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے بارے میں کچھ بتاؤں جس کے کانوں کی لو سے اس کے کندھوں تک سات سال کی مسافت ہے (سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الجھیم)۔

اب فرشتوں کا سارا تصور ہی مکانی، مادی تصور اور ایسا عجیب وغریب تصور جو آپ کو یونانی دیو مالائی کہانیوں میں بھی نہیں ملے گا ان کا تصور بھی اس کے مقابل پر بہت محدود ہے۔ یعنی لو سے لے کر کندھے تک سات سو سال کی مسافت ہے۔ یہ ان لوگوں کی بنائی ہوئی حدیثیں ہیں جنہوں نے عرش کو اونچا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں عرش الٰہی تو پھر بہت ہی اونچا ہوگا تو جن فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے ان کا بھی تو قد کافی ہونا چاہئے۔ یہ اس تصور کی پیداوار حدیثیں ہیں بالکل واضح طور پر اس سے تو غالب بہتر نکلا، اس نے تو یہ کہا ہے صرف کہ:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا (دیوان غالب: 89)

یہ تو کہتے ہیں کہ ہمارا بنایا ہوا منظر ہے لیکن یہ ظلم کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف جن پر ایسی بیان کتاب اتری ہے۔ جس کی کوئی مثال الٰہی کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ قرآن میں پڑھ کر دیکھیں کہیں اس قسم کی واہیات باتیں اشارۃً بھی موجود ہیں؟ لیکن باقی کتب میں بعد میں انسان نے کچھ باتیں داخل کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرما کر ہمیشہ ہمیش کے لئے انسانیت کو فتنوں سے بچالیا ہے۔ جو بھی حدیث منسوب ہو اور قرآن کے تصورات سے ٹکراتی ہو، قرآن کی طرز بیان سے ٹکراتی ہو، قرآن میں مذکور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور آپ کی ذات سے ٹکراتی ہو وہ رد کرنے کے لائق ہے ہرگز وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہوسکتا۔

اب یہ حدیث جو ہے عبد بن حمید، یہ بھی درمنثور ہی کا کارنامہ ہے اور ایک صحابی کی معرفت رسول اللہ ﷺ تک مرفوع کی گئی ہے۔ حضرت میسرہؓ سے روایت ہے کہ عرش اٹھانے والوں کے پاؤں زمین کی تہہ میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑ کر نکلے ہوئے ہیں یعنی **نعوذ باللہ من ذالک** خدا جہاں جسمانی طور پر بیٹھا ہوا ہے اس کی پیٹھ تخت سے نہیں لگ رہی کیونکہ جو اٹھانے والے ہیں وہ اتنے لمبے تھے کہ پاؤں زمین کی تہہ میں لیکن قد عرش کو پھاڑ کر اوپر نکلے ہوئے ہیں اور انتہائی خشوع کی حالت میں ہیں۔ اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھاتے۔ ساتویں آسمان والوں سے وہ سخت خوف میں ہیں اور ساتویں آسمان والے اپنے سے نچلے آسمان والوں سے شدید خوف میں ہیں اور اپنے سے نیچے آسمان والوں سے شدید خوف میں ہیں۔ (عبد بن حمید، بحوالہ درمنثور، سورہ المومن زیر آیت 8)

اوپر والوں کا خوف کوئی نہیں نچلوں کا ہی خوف ہے صرف اور یہ عجیب بات ہے کہ ساتویں آسمان کے اوپر عرش ہے اس پر ان کو بٹھایا اور عرش سے اوپر سر نکال دیئے۔

یہ اس رسولؐ کی طرف منسوب ہوا ہے جس کے متعلق قرآن گواہی دیتا ہے کہ آپ کے معراج کے ارتقائی سفر میں جو آپؐ کی روحانیت کا سفر تھا اس میں عرش سے پہلے آپؐ رک گئے ہیں اور آگے کسی کو مجال نہیں ہے۔ وہ عرش یعنی معنوی عرش جو تنزیہی عرش ہے اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالوں سے میں کروں گا تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ خدا سے نور یافتہ انسان،

خدا سے تائید یافتہ مہدی کیا چیز ہے اور یہ علماء جن من گھڑت قصوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ وہ کہتے ہیں وہ خوف میں ہیں اور سارے اپنے نچلے والوں سے ڈر رہے ہیں بڑا سخت۔ اور عرش پھاڑ کر اس بے چارے کا تو رہنے ہی کچھ نہیں دیا، عرش کو تو پارہ پارہ کر دیا انہوں نے۔ کسی چیز کو آپ پتلی تختی ہو یا کاغذ ہو کیلوں کے اوپر یوں گاڑ دیں جس طرح کیل باہر نکل آتے ہیں کہتے ہیں اس طرح ان فرشتوں کے سر عرش سے باہر آئے ہوئے ہیں۔

اور درمنثور ہی کا ایک اور کمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، صحابہؓ ذکر کی مجلس میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا میں نہ تمہیں بتاؤں اللہ تعالیٰ کی شان کی باتیں۔ تو انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ بتائیں تو آپؐ نے فرمایا عرش اٹھانے والوں میں ایک فرشتہ ہے جسے اسرافیل کہتے ہیں، عرش کے کناروں میں سے ایک کنارہ اس کے کندھے پر ہے۔ اس کے قدم ساتویں زمین کی تہہ کو پار کر گئے ہیں۔ یعنی نیچے لٹک رہے ہیں قدم اور سر ساتوں آسمان کو پار کر گیا ہے اور یہ بھی تمہارے رب کی مخلوق میں سے ہے (ابوالشیخ بحوالہ درمنثور، سورہ المومن زیر آیت ۸)۔

مخلوق لفظ نے، باقی کہانی تو ویسے ہی لغو تھی مگر لفظ مخلوق نے تو اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ تو جب تک خدا کا عرش نصیب نہیں ہوا جب تک یہ مخلوق پیدا نہ ہوئی کیونکہ عرش پر قرار اس کا دائمی قرار ہونا چاہئے مگر جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مخلوق ہیں۔ پس اگر وہ مخلوق ہیں تو ازل سے خدا بغیر عرش کے تھا جب تک یہ مخلوق پیدا نہ ہوئی اور ازل ایک ایسی چیز ہے جس کی انتہا کوئی نہیں اس کے دوسری طرف جتنا بھی آپ چلتے جائیں کوئی کنارہ ہی نہیں ہے۔ تو خدا ابد میں رہے تو رہے، ازل میں تو باقی نہیں رہتا پھر۔ غرضیکہ یہ وہ تصور عرش ہے جو ان کے تصورات کی انتہائی چھلانگ ہے۔

اور ایک اور درمنثور کی حدیث سن لیجئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے اب کہ میں ایک ایسے فرشتے کے بارے میں بتاؤں جس کے پاؤں ساتویں زمین کو بھی پار کر گئے ہیں اور عرش اس کے کندھوں پر ہے۔ یہاں تضاد جو ہے دوسری حدیث سے واضح ہے وہاں سر بھی پار کر گیا تھا لیکن یہاں عرش اس کے کندھوں پر ہے اور وہ اکیلا ہی ہے۔ وہ کہتا ہے تو پاک ہے، تو کہاں تھا، تو کہاں ہوگا۔ (ابویعلیٰ و ابن مردویہ بحوالہ درمنثور للسیوطی، سورہ المومن زیر آیت ۸)۔

بس یہ کلام ہے جو اس کی زبان سے جاری وساری ہے تو پاک ہے، تو کہاں تھا، تو کہاں ہو گا۔ یہ جو تصورات ہیں ان ظلمات سے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور امام مہدی نے اللہ کے نور سے نجات بخشی ہے۔ وہ نور عطا کیا جو خدا کے نور کے تصور کے لئے لازم تھا کیونکہ آنکھ نور کی طرح ہے جس کے بغیر آسمان کا نور دکھائی نہیں دے سکتا۔ جب تک عقلوں کو جلا نہ ملے، جب تک عقلوں کو نور نہ عطا ہو آسمان کا نور بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ اندھا سورج کی روشنی کو دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے اپنی ذات میں تو وہ معنے نہیں کھوتا لیکن ہر اس شخص کے لئے بے معنی ہو جاتا ہے جو آنکھ کے نور سے یا اپنے فطری نور سے محروم ہو۔ پس اس قسم کے لوگوں نے اسلام کو دیکھا، اسلام کو بدنام کیا، ایسی تفسیروں میں یہ قصے راہ پا گئے جنہوں نے امت محمدیہ کو قصوں، کہانیوں کی امت بنا دیا۔ پس اب میں آپ کو دو احادیث صحیحہ جو بخاری سے لی گئی ہیں ان کے حوالے سے عرش کا تصور بتاتا ہوں اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر جو روشنی ڈالی ہے اس کے متعلق کچھ کہوں گا۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ قرآن کریم میں فرشتوں کے عرش کو اٹھانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بعض لوگ تعجب کریں گے کیونکہ تفسیر صغیر میں بھی بعض آیات کے ترجمے میں فرشتوں کے اٹھانے کا ذکر ملتا ہے۔ مگر جب اصل آیات دیکھیں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ عبارتیں جو میں آپ کو پڑھ کے سناؤں گا ان پر غور کریں اور قرآن کریم کے جو حوالے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں ان کو دیکھیں تو یہ ترجمہ درست دکھائی نہیں دیتا۔ یا معنوی ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکے۔ کوئی تفسیری محاورہ استعمال کیا گیا ہے اور حضرت مصلح موعودؓ بعض دفعہ ایسے ترجمے کرتے ہیں جن کا معنی آپ کو تو علم ہے لیکن پڑھنے والا اس سے کچھ اور اخذ کر سکتا ہے کیونکہ تفسیر صغیر خصوصیت سے چونکہ بیماری کے ایام میں لکھی گئی تھی اور اس کو خود براہ راست آپؓ کو دوسری تیسری دفعہ دہرانے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے ایسی چیزوں کا وہاں پایا جانا ہرگز بعید از قیاس نہیں لیکن حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مقام ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مقام ہے اور آنحضرت ﷺ کا ایک مقام ہے اور قرآن کا ایک مقام ہے۔ ان مقامات کے دائرے میں ہمیں نچلے مقام کو اوپر کے مقام پر فضیلت دینے کا ہرگز کوئی حق نہیں ہے۔ جو چاہے میرے اس اعلان پہ اعتراض کرے مجھے خوشی سے قبول ہے مگر اگر مضمون ٹکراتا ہوا دکھائی دے تو ادنیٰ مقام پر اعلیٰ مقام ضرور حاوی ہو گا اور لیکن اس کا یہ ہرگز

مطلب نہیں ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر نعوذ باللہ من ذالک بالا مضمون سے انحراف کر کے کوئی اور بات پیدا کی ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض دفعہ فرشتوں کا تصور بھی مختلف ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی کتاب ملائکۃ اللہ آپ پڑھیں تو اس سے پتا چلے گا کہ تمام صفات دراصل فرشتوں کے زیرنگیں ہیں اور صفات اور فرشتے آپ کے نزدیک بعض دفعہ ایک ہی چیز کی دو صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ تو اس لئے میں اشارہ کر رہا ہوں کہ وہاں تضاد دور کرنے کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرشتوں کو عام انسانی تصور کے مطابق ہرگز نہیں لیا۔ نہ عرش کا وہ معنی سمجھا ہے جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے کیونکہ تفسیر صغیر تھی، تفصیل کی بحث وہاں موقع نہیں تھا اس لئے مختصر لفظ استعمال کیا ہے جو قرآن سے یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہوگا مثلاً وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (الحاقة: 17، 18) اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بودا دکھائی دے گا وَّ الْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ اور اس دن آٹھ طاقتیں ثَمٰنِيَةٌ آٹھ طاقتیں عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہوں گی۔ اب چونکہ پہلے فرشتوں کا ذکر کیا گیا تھا اس لئے سیاق وسباق کے پیش نظر اگر ان طاقتوں کو فرشتے کے نام سے ظاہر کیا گیا ہو تو یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص لفظ فرشتہ پر زور دے تو اس کو میرا جواب ہے جو میں پہلے دے چکا ہوں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت مصلح موعودؓ اور دوسرے مضامین میں تضاد ہے تو اصل اس کا جواب یہ ہے کہ تضاد نہیں، تم سمجھ نہیں سکے، حضرت مصلح موعودؓ کی نظر فرشتوں کے مضمون پر بہت گہری اور وسیع تھی جس نے کتاب ملائکۃ اللہ کا مطالعہ کیا ہو وہ جسمانی تصور حضرت مصلح موعودؓ کی طرف منسوب کر ہی نہیں سکتا، نہ عرش کا نہ فرشتوں کا۔ اس لئے فرشتہ کہنے کے باوجود آپؓ فرشتوں کو صفات الٰہی کا مظہر ہی سمجھتے ہوں گے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

یہ میں اس لئے بہت کھل کر تفصیل بیان کر رہا ہوں کہ بعض نیم پڑھے ہوئے لوگوں کا یہ طریق ہے کہ ساری بات پر نظر ہوتی نہیں ایک بات کہیں اور دکھائی دے دی اور اعتراض شروع کر دیئے اور خطوط کی بھرمار شروع کر دی کہ آپ نے تو یہ کہا ہے مصلح موعودؓ نے تو وہ کہا ہے تو بعد میں جو میں جواب دیہیاں کرتا رہوں میں ابھی سے کھول دیتا ہوں بات مجھے پتا ہے کیا کہا ہے مگر میں اس کا

یہ مفہوم سمجھتا ہوں اگر آپ اس کا دوسرا مفہوم سمجھتے ہیں آپ کے مفہوم کو میں رد کرتا ہوں کیونکہ قرآن اور حدیث اور کلام الٰہی کا انداز اس حقیقت کو رد کر رہا ہے اور کلام الٰہی میں واضح قطعی طور پر کسی فرشتے کا آسمان کو، عرش کو اٹھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اب سنئے احادیث۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔اب اللہ کا دایاں ہاتھ خود بتا رہا ہے کہ یہ باتیں اور عرش کا مضمون اور اٹھانے کا مضمون یہ سب معنوی باتیں ہیں اس کو جسمانی قرار دینا بالکل غلط اور حدیث کے مزاج کے ہی مخالف ہے۔فرماتے ہیں اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اس میں سے بغیر کسی وقفہ کے خرچ کرتے چلے جانا کوئی بھی کمی نہیں کرسکتا۔کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے اب تک کیا کچھ خرچ کیا لیکن اس خرچ نے بھی اس کے دائیں ہاتھ میں ذرہ بھر کمی نہیں آنے دی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں فیض ہے یا فرمایا کہ اس کے دوسرے ہاتھ میں قبض ہے، یہ راوی کو شک ہے۔وہ بلند کرتا ہے اور نیچے گراتا ہے یعنی اٹھانا اور گرانا اللہ کا کام ہے خود اس کو کسی نے نہیں اٹھایا ہوا۔(صحیح بخاری کتاب التوحید باب وکان عرش علی الماء)

اور یہاں پانی پر عرش کہنا صاف بتاتا ہے کہ یہ حدیث مبنی بر قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود:8) کہ اس سے پہلے اس کا عرش الْمَآءِ پر تھا۔اب یہ تشریح کہ الْمَآءِ سے کیا مراد ہے جس پر اللہ کا عرش تھا یہ تو میں ابھی آپ کو بتاؤں گا لیکن ایک بات تو قطعی ہوگئی کہ الْمَآءِ فرشتے تو نہیں ہیں اور پانی نے اگر عرش اٹھایا ہوا ہے تو پانی نے اٹھایا ہوا ہے تو ساتھ ہی اللہ یہ فرما رہا ہے کہ ہر چیز وہ اٹھاتا ہے۔وہی گراتا ہے تو پھر پانی کس طرح نے اٹھایا ہوا ہے۔اگر ظاہری پانی مراد لیا جائے تو جب یہ سوال اٹھتا ہے کس نے اٹھایا ہوا ہے تو پھر آپ کو اس قسم کی حدیثیں ملیں گی جو بیہقی میں مثلاً کثرت سے ہیں کہ نیچے اس کی گہرائی میں زمین ہے زمین کے نیچے بیل ہے بیل کا ایک سینگ وہ سینگ زمین کو اٹھائے ہوئے ہے اس کے اوپر عرش الٰہی پھر اس کے اوپر خدا تعالیٰ اور جب وہ سینگ بدلتا ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔وہ لوگ جو کہانی پرست ہوتے ہیں، جو ظاہر پرست ہیں، وہ مفہوم سمجھنے کی بجائے ظواہر کو پکڑ بیٹھتے ہیں اور اس سے مفاہیم کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیتے ہیں۔پس سب سے پہلے تو نظر اس بات پہ ہونی

چاہئے تھی کہ دائیاں ہاتھ اگر پانی سے مراد ظاہری پانی ہے تو پھر دایاں ہاتھ سے مراد دایاں ہاتھ ہی لینا پڑے گا اور جس اللہ کا بدن ہوگیا اس کا دایاں ہاتھ ہوگیا، اس کا بایاں ہاتھ ہوگیا اس کا وجود ہی جاتا رہا۔ وہ بھی قصہ اور پانی بھی قصہ مگر بخاری کی حدیث دیکھیں کیسی نور پر مبنی حدیث ہے بالکل واضح اور قطعی اور قرآن کے مزاج کے مطابق ہے۔

پھر حضرت ابن عباس سے بخاری ہی میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ غم اور پریشانی کے وقت ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عظمت والا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو عظمت والے عرش کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور بزرگی والے عرش کا رب ہے (صحیح بخاری کتاب التوحید باب تعرج الملائکۃ والروح الیہ)۔

اب میں آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حوالوں سے سمجھاتا ہوں کہ یہ اصطلاح کیا معنی رکھتی ہے اور اللہ کے نور سے دیکھنے والے امام زمانہ نے ہمیں کیا بتایا کہ عرش کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے زیادہ اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں“۔ (الاستفتاء روحانی خزائن جلد:12 صفحہ 117-116)

پس ہر مزعومہ حدیث جو قرآن کریم میں صفات باری تعالیٰ سے ٹکراتی دکھائی دے وہ کسی قیمت پر بھی آنحضرت ﷺ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ جو اس کو کہے گا وہ گستاخی کا موجب ہوگا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی اول اس نے اس تمام دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھ دن میں سب کو بنایا۔ (چھ دن سے مراد ایک بڑا زمانہ ہے) اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی تنزہ کے مقام کو اختیار کیا۔ یاد رہے کہ استویٰ کے لفظ کا جب علیٰ پر صلہ آتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ ایک چیز کا

اس مکان پر قرار پکڑنا جواس کے مناسب حال ہو جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیت ہے وَاسۡتَوَتۡ عَلَى الۡجُوۡدِىِّ (ھود:45) (یعنی حضرت نوحؑ کی کشتی نے پھر جودی پر قرار پکڑا یعنی جو مناسب اس کی بہترین جگہ تھی اترنے کی وہاں وہ کشتی کھڑی ہوئی ہے)۔یعنی نوح کی کشتی نے طوفان کے بعد ایسی جگہ پر قرار پکڑا جواس کے مناسب حال تھا۔یعنی اس جگہ زمین پر اترنے کے لئے بہت آسانی تھی۔سواسی لحاظ سے خدا تعالیٰ کے لئے استواء کا لفظ اختیار کیا یعنی خدا نے ایسی وراءالوراء جگہ پر قرار پکڑا جواس کی تنزہ اور تقدس کے مناسب حال تھی۔چونکہ تنزہ اور تقدس کا مقام ماسوی اللہ کے فنا کو چاہتا ہے سو یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے خدا بعض اوقات اپنی خالقیت کے اسم کے تقاضا سے مخلوقات کو پیدا کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ اپنے تنزہ اور وحدت ذاتی کے تقاضا سے ان سب کا نقش ہستی مٹا دیتا ہے۔غرض عرش پر قرار پکڑنا مقام تنزہ کی طرف اشارہ ہے تا ایسا نہ ہو کہ خدا اور مخلوق کو باہم مخلوط سمجھا جائے **پس کہاں سے معلوم ہوا کہ خدا عرش پر یعنی اس وراءالوراء مقام پر مقید کی طرح ہے اور محدود ہے۔قرآن شریف میں تو جا بجا بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر وناظر ہے**"۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ:119)

یہ چونکہ عبارت بعض دوستوں کے لئے جن کو زیادہ عبور نہیں ہے زبان پر زیادہ توجہ اور غور سے اس کلام کو نہیں سن سکے، سمجھنا مشکل ہوگی۔اس لئے میں اس کی کچھ تشریح آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب زمین وآسمان کو پیدا کیا، چھ دن سے مراد چھ دن نہیں بلکہ بہت لمبے زمانے ہیں، ان زمانوں میں جب پیدا فرما دیا تو تخلیق سے وہ ہم آہنگ بھی ہوا اور اس کی صفات ہی سے یہ تخلیق ہوئی ہے۔مبادا بعد میں کوئی یہ سمجھے کہ خدا اور تخلیق ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جیسا کہ بعض مذاہب اس بات پر پیدا ہوئے جو صوفیوں میں ہمہ اوست کہلائے اور باہر کی دوسری دنیا میں Pantheism سے بعض مذاہب بنے۔ان کا خیال تھا کہ خدا نے چونکہ پیدا کیا ہے اور صفات سے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اپنی صفات سے الگ نہیں ہوسکتی اس لئے اگر ساری

کائنات صفات باری تعالیٰ ہی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے اور وہی صفات اس میں جلوہ گر ہیں تو وہی خدا ہیں کیونکہ صفات موصوف سے الگ نہیں ہوسکتیں۔ یہ منطقی دلیل قائم کر کے صوفیاء میں ہمہ اوست کا عقیدہ جا گزیں ہوا اور دوسری دنیاؤں میں اس نام کے مذاہب بن گئے کہ وہی وہی ہے گویا مخلوق کوئی چیز نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا یہ کمال ہے اور اس کے عرفان کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف تخلیق کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ تخلیق سے جدا ہونے کا ذکر بھی فرمادیا۔ پیدا کیا لیکن مل جل نہیں گیا۔ پھر وہ جدا ہوا اور اس مقام تنزہ پر عروج کیا جو اس کو ہر خلق سے بالا اور پاک اور صاف دکھاتا ہے۔ بلکہ وہ ایسا مقام ہے جو مخلوق کی نظر سے بھی بالا تر ہو جاتا ہے۔ پس تخلیق کے رستے سے تشبیہی صفات کا ہم نظارہ کرتے ہیں اور جب تخلیق سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ اپنی ایسی شان میں جلوہ گر ہو کہ وہ اس میں تخلیق کا عنصر شامل نہ ہو، وہ صفات تنزیہی صفات کہلاتی ہیں اور انہی کا نام اس Context میں، ان عبارتوں میں، جن میں تخلیق کائنات کا ذکر ہے عرش مراد ہے۔ ان آیات میں جہاں تخلیق کائنات کا ذکر ہے عرش پر مستوی ہونے یا قرار پکڑنے سے یہی مراد ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرما رہے ہیں کہ وہ تنزیہی صفات ہیں جو تخلیقی صفات سے خدا تعالیٰ کو الگ کر کے دکھاتی ہیں تا کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری سے شرک میں مبتلا نہ ہو جائے اور مخلوق ہی کو خالق نہ سمجھ بیٹھے۔ ایک یہ معنی ہے۔

دوسرا معنی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے یعنی اسی معنے کی اول تو مختلف تشریحات فرمائی ہیں۔ پھر وہ معنی بھی کیا ہے جو میں آپ کے سامنے پہلے پیش کر چکا ہوں۔ وہ دل ہے اور مرد کامل اور دل ہے جس کو عرش قرار دیا جاسکتا ہے۔ میں نے جو یہ استنباط کیا اس کی بڑی وجہ پانی پر قرار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے ساتھ جو یہ ذکر فرمادیا ”وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ خدا کا عرش پانی پر تھا۔ تو پانی پر عرش سے مراد کیا ہے؟ دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء: 31)۔ خدا نے پانی ہی سے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ پس پانی سے زندگی کا تعلق ہے اور زندگی کا شعور سے تعلق ہے۔ شعور کے بغیر خدا دکھائی ہی نہیں دے سکتا۔ پس باشعور طور پر خدا کے وجود کا احساس زندگی پر منحصر ہے اور عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے آغاز آفرینش ہی سے پانی کو وہ صفات عطا کر دی تھیں جن سے زندگی پیدا ہونی تھی، جن سے شعور رونما ہونا تھا اور پھر اس شعور نے خدا تعالیٰ کی صفات کو دیکھنا تھا اور اس جلوہ گری کے لئے اپنے آپ کو اس کے حضور پیش کر دینا تھا۔ یہ وجہ ہے جو عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ کا ذکر ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

”چنانچہ ایک جگہ دل کو بھی عرش کہا گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تجلی بھی دل پر ہوتی ہے اور ایسا ہی عرش اس وراء الوریٰ مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔۔۔“

پس یہاں ان دونوں باتوں کو اکٹھا فرما دیا آپ نے۔ اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو میں نے پچھلے خطبے میں قلب کا ذکر کیا تھا اور خصوصیت سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے قلب کو خدا کی تخت گاہ بتایا تھا تو یہ ایک اپنے نفس کا خیال تھا، ایک فرضی بات تھی۔ قرآن کریم واضح طور پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں، قلب کو ایک جگہ عرش قرار دیتا ہے اور وہ قلب جہاں خدا جلوہ گر ہوا ہے یعنی ان صفات کاملہ کے ساتھ جو اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں دیکھی تھیں، اپنی کامل شان کے ساتھ نہیں دیکھی تھیں، وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دل تھا۔

چنانچہ معراج کے وقت آپ کے دل کا یہ نقشہ کھینچا گیا ہے مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى (النجم:13) اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کو جو کچھ دکھایا تھا یا اس دل نے جو کچھ دیکھا تھا معراج کی رات کو اس نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ یہ جو مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک ، رسول اللہ ﷺ کا دل جھوٹ بول سکتا تھا تو نفی فرما دی گئی ہے۔ اصل جو گہرا مفہوم ہے اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دل نے صفات الٰہیہ کی جس جلوہ گری کو سمجھا ہے اس میں کہیں بھی غلطی نہیں کی۔ ایک انسان کے دل پر خدا جلوہ گر ہوتا ہے، معمولی رنگ میں ہر ایک کے دل پر جلوہ گر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ باشعور ہے، وہ پانی سے پیدا کیا گیا ہے، اس کو یہ صفات عطا ہوئی ہیں کہ وہ خدا کا تصور باندھ سکے مگر اکثر انسان غلطی کر جاتا ہے۔ جلوہ ہو بھی تو سمجھنے میں غلطی کر جاتا ہے اور اسی وجہ سے اختلاف مذاہب پیدا ہوتے ہیں۔ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى کا مطلب ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ

کے دل نے جو کچھ دیکھا بعینہ وہی سمجھا جو دکھایا گیا تھا، ایک ذرے کی بھی غلطی نہیں کی۔ پس جب رسول اللہ ﷺ صفات باری کا بیان کریں تو کامل یقین کے ساتھ اس پر ایمان لاؤ، اس کو درست سمجھو کیونکہ اس دل میں ناسمجھی اور غلط فہمی کے نتیجے میں بھی غلط بیان کرنے کا ملکہ ہی نہیں پیدا کیا گیا۔ خدا نے بنایا ہی نہیں یہ دل ایسا جو غلط سمجھ کر بات کر دے اور عملاً وہ جھوٹ نکلے۔ تو اب دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”۔۔۔عرش اس وراء الوریٰ مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔۔۔“

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا معراج بھی وہاں تک ہوا تھا جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے اور اس سے پرے خدا کی تنزیہی صفات تھیں۔ پس اس سے ورے ورے اگر کوئی عرش تھا جس نے خدا کی صفات کو اٹھایا ہوا تھا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ فرشتوں کا کہاں ذکر ملتا ہے وہاں۔ نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔ حدیث میں یہ تو ملتا ہے کہ حضرت جبرائیل کے پر جلتے تھے وہاں تک پہنچنے سے جہاں آنحضرت ﷺ کا معراج ہوا۔ کائنات کی ہر دوسری چیز پیچھے رہ گئی تھی۔ اتنی قطعی حدیث جو قرآنی آیات کی قطعی طور پر، واضح طور پر تشریح فرما رہی ہے اس کے مقابل پر ان حدیثوں کو کون دیکھے گا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نہیں فرشتوں کا سر تھا جو عرش تک ہی نہیں پہنچا عرش کو پھاڑ کر اوپر نکل گیا تھا اس تنزیہی مقام میں داخل ہو گیا جہاں خدا کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”۔۔۔اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک تو تشبیہہ ہوتی ہے اور ایک تنزیہہ ہوتی ہے۔ مثلاً یہ بات کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جہاں پانچ ہوں وہاں چھٹا ان کا خدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہہ ہے جس سے دھوکہ لگتا ہے کہ کیا خدا پھر محدود ہے۔۔۔“

پانچویں کے ساتھ چھٹا ہو گیا جہاں کہیں کوئی ہوا وہاں خدا چلا گیا فرمایا ہرگز نہیں یہ مراد نہیں ہے۔

”۔۔۔اس لئے اس دھوکا کو دور کرنے کے لئے بطور جواب کے کہا گیا ہے کہ وہ تو عرش پر ہے جہاں مخلوق کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے“۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ:382)

یعنی موجود تو ہر جگہ ہے مگر تخلیق کی پہنچ نہیں ہے وہاں تک۔ بارہا میں یہ مثال دے کر کھول چکا ہوں کہ Dimensions بھی بدل جائیں تو ہمارا تصور اپنی Dimensions کی حدوں سے ٹکرا کر لوٹ آتا ہے اور اگلی Dimensions میں داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ حساب کی رو سے سائنس دانوں نے آج کل چودہ Dimensions تک بنا رکھی ہیں لیکن وہ حساب کرنے والے خود بھی ذرہ بھی نہیں سمجھتے کہ وہ Dimensions کیا چیز ہے۔ اس میں کیسے کوئی چیز ہوسکتی ہے صرف حسابی نکتے ہیں۔ اپنی Dimension سے مراد یہ ہے کہ دائیں بائیں، اوپر نیچے، اطراف اور وہ وقت جو ان اطراف میں سمٹی ہوئی چیز کے اوپر سے گزر رہا ہے یا بیچ سے گزر رہا ہے۔ ان کو Dimension کہتے ہیں اور یہ Dimension چار ہیں یعنی چار اطراف ہیں ایک وقت کی طرف اور باقی تین جسمانی اطراف۔ ہماری کائنات انہی چار میں محدود ہے لیکن یہ ثابت ہے قرآن کریم سے بھی کہ اور Dimension ہیں اور اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے ذریعے ہمیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ جنت کا عرض اس کا پھیلاؤ، اس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ اب صحابہ تو یہی سمجھے کہ یہ Dimension جو ہماری ہیں ان میں باتیں ہورہی ہیں۔ اگر یہ ان کا سمجھنا درست ہوتا تو جہنم کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں بچتی کیونکہ ایک ہی Dimension میں ایک ہی طول وعرض اور وقت میں ایک سے زیادہ چیزیں ایسی نہیں سماسکتیں جو ایک دوسرے کی نفی کرتی ہوں۔ یا یہ ہو گی یا وہ ہوگی۔ مثلاً ایک بوتل میں جتنا پانی آتا ہے اتنا ہی آئے گا۔ اس بوتل میں اتنا پانی، اتنا شہد، اتنا شربت، اتنا کوکا کولا اکٹھا تو نہیں آپ بھر سکتے۔ تو یہ مراد ہے Dimension سے۔ تو صحابہ یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ قرآن کریم کی اس آیت کو جس میں فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کے برابر جنت کی Dimensions ہیں شاید نظر انداز فرما رہے ہیں کیونکہ اگر یہ درست ہے تو جہنم کہاں ہوگی پھر۔ یہی سوال انہوں نے کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ جہنم بھی وہیں ہوگی مگر تم اس کا شعور ہی نہیں رکھتے یعنی تمہیں پتا ہی نہیں کہ Dimensions ہوتی کیا چیز ہیں۔ اگر Dimensions بدل جائیں تو اسی ظاہری جگہ میں جہاں ایک بوتل پانی آتا ہے اگر Dimensions بدل جائیں تو اسی ظاہری جگہ میں ایک ریڈیائی طاقت بھی موجود ہوسکتی ہے۔ لہروں کی مختلف شکلیں بھی تو موجود ہوسکتی ہیں۔ حالانکہ ان کی بھی Dimension یہی ہے۔ اس

کے باوجود اپنی لطافت کی وجہ سے وہ اس جگہ کو بھر سکتی ہیں جو پہلے ہی بھری ہوئی دکھائی دے رہی ہے اور اس سے بے تعلق بھی ہوں گی۔ چنانچہ ایک بوتل جو پانی سے بھری ہوئی ہو اس میں اتنی قسم کی ریڈیائی لہریں اور ایکسرے لہریں اور کئی قسم کی اور لہریں اور مائیکرو ویوز اور دوسری موجود ہیں کہ ان کا شمار آپ نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ہر ایک، ایک پیغام رکھتی ہے ایک تصویر رکھتی ہے، ایک آواز رکھتی ہے، ایک اپنا انداز رکھتی ہے۔ تو یہ جو مضمون تھا یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سمجھایا۔ پس اس مضمون کے پیش نظر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

فرماتے ہیں یہ Dimensions کی بات ہے۔ یہاں یہ کہہ رہے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اللہ وہاں ہونے کے باوجود وہاں نہیں ہے کیونکہ اپنی تشبیہی صفات میں وہاں ہے اور تنزیہی مضمون کو سمجھنا ہو تو قرآن کریم کی وہ آیات دیکھیں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ قریب ہے، قریب تر ہے شہ رگ سے۔ زندگی کی رگ سے بھی قریب تر ہے اور بعید تر ہے اس سے زیادہ لطیف کوئی چیز نہیں اس سے زیادہ حاضر کوئی چیز نہیں وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے، وہ حاضر بھی ہے غیب بھی پھر ہے تو یہ متضاد باتیں Dimensions کے بدلنے کے نتیجے میں ہی صحیح ہو سکتی ہیں ورنہ نہیں۔ پس ہر جگہ ہو اور اندھوں اور بدنصیبوں سے دور تر بھی ہو اور ان باتوں کو اس طرح آپ سمجھیں تو پھر یہ عرش الٰہی کا مضمون سمجھ آئے گا۔

عرش الٰہی کا ایک مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ خدا جس کی تنزیہی صفات تخلیق کی پہنچ سے بالا تر ہیں، ایسی بالا ہیں کہ مخلوق کو جو بلند ترین مقام نصیب ہو سکتا تھا وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو نصیب ہوا اور آپؐ بھی اس مقام پر جا کر رک گئے جس کے بعد محض خدا کا مقام رہ جاتا یہ اور تشبیہی صفات کو اجازت ہی نہیں ہے، توفیق ہی نہیں ہے کہ وہ تنزیہی صفات کا کچھ پا سکیں۔ پس ایک تو عرش کی جلوہ گری یہ ہے۔

دوسری بالکل واضح اور کھلی کھلی بات ہے کہ خدا کوئی جسم تو ہے نہیں جو پانی کے اوپر بیٹھا ہو۔ ہاں پانی سے جو زندگی پیدا ہوئی اس کو یہ توفیق ملی ہے کہ خدا کا تصور باندھ سکے ورنہ گندگی کے کیڑے کو خدا کا تصور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ہے تو بہت ہی مبہم اور مخفی اور بالکل ہی معمولی، اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں مگر اس پانی سے جو وجود زندہ ہوا ہے جو سب سے اعلیٰ اور سب سے فائق اور سب سے اعلیٰ اور

برتر تھا وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ پس کجا یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دل پر خدا جلوہ گر ہو کجا یہ کہ پانی پہ بیٹھا ہو یعنی ظاہری پانی پر، زمین و آسمان کا فرق ہے ان دو باتوں میں۔ ایک صرف کہانی ہے اور ایسی کہانی ہے جو خدا کے وجود کو مادی بنا کر دکھاتی ہے۔ ایک حقیقت ہے اور ایسی صاحب عرفان حقیقت ہے کہ جس پہ جتنا بھی غور کریں اتنا ہی دل یقین سے بھرتا چلا جاتا ہے کہ یہ بات سچی ہے۔ پس وہ خدا جو کبھی جلوہ گر ہوا ہے یعنی اس دائرے میں جس میں انسانوں کو پیدا کیا گیا۔ وہ کبھی کسی نبی کے دل پر اس طرح جلوہ گر نہیں ہوا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل پر جلوہ گر ہوا۔ وہ خدا جس کو موسیٰ ؑ کو دیکھنے کی طاقت نہیں تھی جس کو خدا نے بتایا کہ تجھ میں جان نہیں ہے، تجھ میں استطاعت نہیں ہے کہ میرا وہ جلوہ دیکھ سکے جس کا تو مطالبہ کر رہا ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دل تھا جس نے وہ جلوہ اٹھایا ہے۔ وہ جلوہ جس کی آسمانوں کو طاقت نہیں تھی، جس کی زمینوں کو طاقت نہیں تھی، نہ بڑے کو طاقت تھی، نہ چھوٹے کو طاقت تھی" حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (الاحزاب: 72) اس کو انسان نے اٹھالیا۔ اب دیکھ لیں حمل کا لفظ یہاں موجود ہے۔ عرش کا حمل اس کو کہتے ہیں۔ محمد ؐرسول اللہ کے دل نے وہ صفات باری اپنی ذات پر اٹھائی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ اس انسان کامل نے خدا کے اس کامل جلوے کو اٹھایا جو اس مخلوق کی انتہائی طاقت تھی اس سے آگے اس مخلوق کو پہنچنے کی استطاعت ہی عطا نہیں کی گئی تھی۔

پس یہ معنے ہیں عرش الٰہی کے اور بھی ہیں مگر اگر وقت ملا تو اسی مضمون پر آئندہ انشاء اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات آپ کے سامنے رکھوں گا ورنہ پھر ہو سکتا ہے کوئی دوسرا مضمون شروع کر دیا جائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔